Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 6, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com
Research Article

حافظہ صفورا اسلم
ریسرچ سکالر، ایم ایس شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔
ڈاکٹر شازیہ رزاق
اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

ساجدہ زیدی کے ناول "مٹی کے حرم" میں صنفی جبر

Hafiza Safoora Aslam
Research Scholar MS Urdu Department, Lahore College For Women University, Lahore.
Dr. Shazia Razzaq
Assistant Professor, Urdu Department, Lahore College For Women University, Lahore.

Gendered Oppression in Sajida Zaidi's "Mitti Ke Haram"

Urdu novels always feel incomplete without strong women characters, and Matti Ke Haram by Sajida Zaidi really brings that out. She writes every detail of women's struggles and helplessness so honestly. One of the main characters, Saeeda, goes through so much from a difficult childhood to the challenges of being a grown woman. Sajida Zaidi describes everything so visually that it feels like you're seeing it with your own eyes. Whether it's the setting, clothes, or language like in the parts set in Lucknow you can tell she's done justice to the culture. Even characters like Pertar Singh speak the way someone from their background actually would he speaks Punjabi and it feels natural.You feel for every single one of them. What stood out the most was how she shows the difference between how men and women love. Men can separate love from desire, but for women, love and longing come together. This novel really makes you feel things.
Key Words: Urdu Literature, Sajida Zaidi's Novel, Matti Ke Haram,Urdu Fiction, Female Characters In Urdu Novels.

عورت کے کردار کے بغیر اردو ناول بے رنگ ہیں۔ ہم تاریخی ناول کا مطالعہ کریں، فلسفی ناول کا یا پھر رومانوی ناول کا۔ عورت کا کردار، کہانی اور مسائل اس میں لازم و ملزوم ہوں گے۔ ناول نگاروں نے عورتوں کے مسائل سے لے کر ان کے ہر قسم کے استحصال کو قلم بند کیا۔ خواتین ناول نگار نے جس طرح عورت کے جذباتی وجسمانی استحصال کو رقم کیا وہ قابل تعریف ہے۔ یوسف سرمت اپنی کتاب "بیسویں صدی میں اردو ناول" میں لکھتے ہیں کہ:

" بیسویں صدی میں اردو ناول موضوع اسلوب اور فن کے لحاظ سے جتنا قریب ہو گیا اس سے پہلے کے دور میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ قربت طبعی اور ذہنی دونوں طرح کی ہے۔ ان کے خلاق ذہن زندگی کے پہلوؤں سے جیسے متاثر ہوئے ان کا عکس ہم کو ناول میں جیسا واضح ملتا ہے کسی اور تحریر میں نہیں ملتا۔" ۱؎

ہم اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں لیکن بدقسمتی سے آج بھی حقوق نسواں پر بات کرتے ہوئے لوگ کتراتے ہیں، باتیں بناتے ہیں، اپنی منطق اور بات ثابت کرنے آدھی ادھوری احادیث یا آیات کا حوالہ دینے لگتے ہیں۔ ساجدہ زیدی نے اپنے ناول "مٹی کے حرم" میں ہر طبقے کی

عورت کی زندگی سے منسلک تمام مسائل،استحصال، درد، جدوجہد، کو قلم بند کیا۔

ساجدہ زیدی، ادیبہ، محقق، نقاد، شاعرہ، اور ناول نگار تھیں۔ ان کی پیدائش ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء کو میرٹھ میں ہوئی۔ ان کے والد سید محمد مستحسن زیدی کیمبرج میں ریاضی کے اسکالر تھےلیکن اردو اور فارسی ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ لندن سے انہوں نے بارایٹ لاء کیا تھا۔ساجدہ زیدی کے مطابق وہ ایک طرف قانون دان تھے اور دوسری طرف زبان دان۔ والدہ مختار فاطمہ زیدی بھی شاعرہ تھی۔اپنی خود نوشت ”نوائے زندگی“ میں انہوں نے ان کی کتاب” چمنستانِ عقیدت“ اور”چراغ تہہ داماں“ کا ذکر کیا ہے۔ ساجدہ زیدی کے دادا بھی شعر و شاعری کیا کرتے تھے۔ساجدہ زیدی کی چار بہنیں تھیں اور وہ اپنی بڑی بہن صابرہ زیدی کی شخصیت سے بے حد متاثر تھی۔گھر کا ماحول خاصا ادبی تھا اسی لیے انہیں بھی کم عمری میں ہی ادب اور شاعری سے لگاؤ ہو گیا تھا۔جب تک ان کےوالد حیات رہے انہوں نے خوابوں سی زندگی گزاری۔ مستحسن صاحب کو بیٹیوں سے بےحد محبت تھی اسی لیے نہ انہوں نے کبھی بچیوں سے اونچی آواز میں بات کی نہ کسی کو کرنے دی لیکن زندگی کی یہ بہار مستحسن صاحب کی وفات کے بعد خزاں میں تبدیل ہوگئ تھی۔انکے چچا تایا نے مستحسن کی تمام تر جائیداد اپنے نام کروا لی تھی۔انہوں نے آٹھویں جماعت اپنی خالہ کے قائم کردہ گرلز اسکول سے پاس کی اور علی گڑھ کے شیخ عبداللہؓ کے اسکول سے ہائی سکول اور ایف-اے کیا۔ ۱۹ برس کی عمر میں ازدواجی بندھن میں بندھیں لیکن تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

”۱۹۵۵ءمیں انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تعلیمات میں پوسٹ گریجویٹ لکچرر کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ تعلیم کی غرض سے بیرون ملک گئیں اور۱۹۶۶ء میں لندن یونیورسٹی سے تخلیق کی نفسیات میں اعزاز کے ساتھ ایم فل کی ریسرچ ڈگری حاصل کی ۔۱۹۵۹ء میں اے ایم یو کے شعبہ تعلیم میں بحیثیت ریڈر اور۱۹۷۴ء میں بحیثیت پروفیسر ایجوکیشن تقرر ہوا۔ ۱۹۸۶ءمیں بحیثیت چیئرپرسن شعبہ تعلیمات سبکدوش ہوئیں۔“ ۲؎

بیسویں صدی میں انہیں دنیا کے قابل ستائش فنکاروں میں منتخب کیاگیا۔انہوں نے تمام عمر اپنا قلم رواں دواں رکھا یہاں تک کہ اپنی خود نوشت ”نوائے زندگی“ بھی اپنی زندگی کہ آخری ایام میں رقم کی جو ان کی وفات کے بعد ان کی خواہش کے مطابق ان کی بیٹی ڈاکٹر زویا زیدی نے شائع کروائی۔

ساجدہ زیدی کا ناول ”مٹی کے حرم“ان کی حقیقی زندگی کے مماثل ہے۔ انہوں نے حقیقی کرداروں اور واقعات میں تخیل کی آمیزش سے ایسی کہانی رقم کی کہ زندگی کی تلخیوں کا عکس جذبات کی فراوانی میں رچ بس گیا۔ ناول مٹی کے حرم کا نام ہی ہمیں اشارہ دے رہا ہے کہ اس کہانی میں عورتیں اپنے اپنے حرم بنانے کے لیے دنیا سے لڑتی نظر آئیں گی۔ حَرَم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی محترم یا مقدس چیز کے ہیں لفظ حرم اور احترام کا مادہ ایک ہے۔ حرم کے ایک معنی زنان خانہ یا بیوی کے بھی لیے جاتے ہیں ۔ ناول مٹی کے حرم میں ہمیں ہرعورت اپنے مٹی کے حرم بناتی نظر آتی ہے کہ عورت کے لیے اپنا گھر اپنےخاندان سے بڑھ کر کوئ شے اہم نہیں اس کی عزت اور اس کا وقار جو اپنے گھر اور خاندان سے اسے ملتا ہے اس طرح کسی دوسرے رشتے یا تعلق سے نہیں ملتا۔ ناول میں ہمیں مختلف عورتوں کی مختلف کہانیاں ملتی ہیں یہ تمام عورتیں سعیدہ کی زندگی کے ساتھ جڑی ہیں۔سعیدہ ناول کی مرکزی کردار ہے۔

ناول میں ساجدہ زیدی نے عورتوں کے استحصال کے ساتھ ساتھ تقسیم ہند کے وقت بےجامظالم اورحالات سنبھلنےکےبعدمسلمانوں کےلیے ملازمتوں کےحصول میں رکاوٹوں کابھی ذکرکیا۔اردوزبان کی ناقدری اوراردوادب کومٹانےکی کی جانےوالی کوششوں کو بھی بیان کیا۔غرض ناول میں معاشرتی اور سماجی مسائل کی بھرمارہے۔ ناول میں منظر نگاری بہت خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ دہلی ہو یا پانی پت، لندن ہو یا گاؤں ساجدہ زیدی نےہرمنظربہت باریک بینی سےبیان کیاہے۔ناول سےاقتباس:

”چیڑ کے بلند بالا درختوں کے مسلسل جھڑتے ہوئے کانٹوں نے عظیم الشان پہاڑوں کی ڈھلانوں پر گھنے جنگلوں کے درمیان سنہری مائل بھوری سوئیوں کا دبیز بستر بچھا دیا تھا۔۔۔حدِّنظرتک پھیلاہوایہ سنہری قالین باوجود چیڑ کےکانٹوں کی خفیف سی چبھن کےاتنانرم،خنک اورپھسلواں تھا کہ اس پر سعیدہ کےپاؤں ہی نہ جم سکتےتھے۔۔۔“ ۳؎

ساجدہ زیدی نےناول میں لڑکیوں کےلڑکپن سے لے کر جوانی تک کےحالات رقم کیے۔جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی لڑکیوں کو کن پابندیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ساجدہ زیدی نے بخوبی بیان کیا۔بالغ ہوتےہی سعیدہ کاخود کو تنہا محسوس کرنا اور چھت پر چوری چوری جانا

مشرق لڑکیوں کے اضطراب کی تصویر کشی ہے کہ وہ کھل کر نا کسی سے اپنے دل کی بات کر سکتی ہیں نا اپنی خوشی سے ہر جگہ جاسکتی ہیں۔ ناول سے اقتباس:

"اب وہ بے دریغ چھت پر چوکڑیاں بھرتی ہوئی گلہریوں سے کھیلنے، آسمان کو تکنے اور پرندوں کی پرواز سے جی بہلانے کے بجائے چوری چھپ ے آہستہ آہستہ اوپر جاتی۔ محض اپنے خیالوں میں گم ہونے کے لیے اپنے ہیجان کو دنیا کی نظروں سے چھپانے کے لیے۔" [۴]

ساجدہ زیدی نے ناول کے ہر کردار کو مکمل اس کے ماحول میں ڈھلا ہوا دکھایا ہے لکھنؤ کی عورتوں کے لباس سے لے کر انکی زبان تک انہوں نے ایسی ہی استعمال کی جیسے وہاں کے لوگ بولا کرتے تھے۔ منظر نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہر کردار کی ہر چھوٹی بڑی شے پر بخوبی دھیان دیا ہے۔ آپا بیگم اور شہر بانو کے لباس وزیور سے لے کر سعیدہ اور سیما کے برقعے تک کے کپڑوں کی باریکی انہوں نے بیان کی۔ ناول سے اقتباس:

"شہر بانو بیگم ریشمی غرارے کے جوڑے میں ملبوس ناک میں بڑی سی ہیرے کی لونگ کانوں میں جھمکے۔ بھرے بھرے ہاتھوں میں چوڑیاں اور لمبے لمبے سیاہ کھلے بالوں کے ساتھ (شاید وہ نہا کر آ رہی تھیں) جب کمرے میں داخل ہوئی تو وہ سب دیکھتی رہ گئیں" [۵]

ساجدہ زیدی نے ناول میں زبان وبیان کے انداز کا بھی ہر جگہ خیال رکھا ہے۔ کرتار سنگھ کے کردار میں گاؤں کی پنجابی زبان اور انداز اپنایا گیا تو لکھنؤ میں نور پاشا کا انداز اسی شہر کے انداز میں رقم کیا گیا۔ مہذب گھر کے ماحول کے مطابق شستہ زبان کا استعمال اور گلی کوچے میں رہنے والے مولوی صاحب کا انداز خاصا محلے دارانہ بیان کیا۔ ناول سے اقتباس:

"مہدی بولتے۔۔۔ نورالصباح۔۔۔ اپنی دنیا سے باہر آؤ، دنیا کی باتاں سمجھو۔۔۔ اپنے خیالاتاں کو وسیع کرو۔۔۔ انہوں بیت گہری گہری باتاں سمجھتے۔۔۔ ہزاروں کتاباں پڑھ پڑھ کر کیسی قابلیت سے بولتے انہوں۔" [۶]

ناول میں ساجدہ زیدی نے ہر سطح پر عورتوں کے استحصال کو واضح کیا۔ سعیدہ کے والد جج صاحب کی وفات کے بعد اس کے چچا اور تایا تمام تر جائیداد اپنے نام کروا کر اس کی والدہ کلثوم فاطمہ اور ان کی تینوں بیٹیوں فرزانہ، سعیدہ اور سیما پر زندگی تنگ کر دیتے ہیں تو وہ جیٹھ، دیور کے رویوں سے تنگ آ کر بیٹیوں کے ہمراہ اپنے بھائی پروفیسر علی عباس عابدی کے ہاں چلی آتی ہیں۔ جہاں ان کی بھاوج شہر بانو انکے رہنے کے لیے حویلی کے صحن کا سب سے آخری اور کھنڈر نما کمرہ تیار کرواتی ہے۔ شہر بانو کی حویلی میں اس کی طلاق یافتہ بہن آپا بیگم بھی اپنی ایک بیٹی کے ساتھ رہتی تھی.

آپا بیگم کا کردار منفی ہے لیکن وہ بھی اپنے شوہر اور بھائیوں کے ہاتھوں استحصال کا شکار رہی ہیں۔ شوہر کی دوسری شادی قبول نا کرنے کی صورت انہیں طلاق دے دی گئی اور بھائیوں کے ذمہ داری لینے سے انکار نے انہیں اپنے اور اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے ڈرا دیا تھا۔ ناول میں وہ ہر جگہ اپنی جگہ اور مقام بنانے کی تگ و دو میں نظر آتی ہیں۔ ازدواجی زندگی میں عورت اتنی ہی بے بس اور مظلوم ہے۔ مرد کو اسلام میں دیے گئے اپنے حقوق یاد رہتے ہیں یا پھر چار شادیوں کی اجازت۔ عورت کے حقوق اور دو بیوں کے درمیان انصاف کی باتوں پر وہ غور نہیں کرتے اور مرد کا یہ رویہ قدیم زمانے سے چلتا آ رہا ہے۔ ڈاکٹر مبارک علی نے اپنی کتاب " تاریخ اور عورت " میں عورت کی بے بسی کو بہت خوبی سے بیان کیا۔ کتاب سے اقتباس:

" مرد بیوی سے خوش نہیں ہوتا تھا تو وہ دوسری شادی کر لیتا تھا اور پہلی بیوی گھر میں خاموشی سے زندگی گزار لیتی تھی۔ برادری یا خاندان میں چونکہ طلاق کو برا سمجھا جاتا تھا اور عورت جو ایک بار اپنا گھر چھوڑ آتی دوبارہ اسے اس کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا تھا، اس لیے وہ سوکن کی حیثیت سے رہنا گوارا کرتی تھی۔" [۷]

آپا بیگم نے بڑی چالاکی سے گھر کی تمام تر ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے رکھی تھی تا کہ شہر بانو اس کے بھائی کی طرح اسے حویلی سے نکال نہ دیں۔ حویلی میں کلثوم اور اس کی بیٹیوں کو حویلی سے الگ تھلگ غیر آرائشی کمروں میں ٹھہرانا ہی معاشرے کی پست عورتوں کی پست سوچ اور مغروریت کی مثال ہے۔ شہر بانو اور آپا بیگم کا بھاری زیور اور خوبصورت لباس میں کلثوم سے ملنے آنا بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ کلثوم اور اس کی بیٹیوں کو ان کی محرومی اور کچھ کھو دینے کا احساس بہت شدت سے کروانا چاہتی تھی۔

پانی پت میں سعیدہ کے سامنے باجی رضو اور شمسہ کے ذریعے محبت کی دومختلف کہانیاں آتی ہیں باجی رضو اور مہدی کی نکاح کی تقریب پر وہ مہدی اور باجی رضو کی ہم مزاجی سے جہاں متاثر ہوتی ہے وہیں دوسری طرف اپنی خالہ شمسہ کی ادھوری محبت کی داستان سن کے افسردہ ہو جاتی ہے۔ شمسہ کا کردارحالات اور رشتوں کی ڈسی عورتوں کی مثال ہے جو بنا کسی غلطی اور گناہ کے سزا کاٹتے کاٹتے دم توڑ دیتی ہیں۔

سعیدہ شمسہ سے ملتے ہوئے ہمیشہ محسوس کرتی تھی کہ وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے جیسے کوئی راز کوئی بات اپنے مرنے سے پہلے وہ اس کو سونپنا چاہتی ہو آخر ایک دن وہ شمسہ کو ہمت دلاتے اسے اس راز کے بوجھ سے بھی آزاد کروا دیتی ہے۔ شمسہ اپنے آخری ایام میں سعیدہ کو اپنی اور عابدی صاحب کی محبت کے متعلق بتاتی ہے۔

عابدی صاحب اور شمسہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ان کےمزاج اور شوق ایک سے تھے۔ بچپن کی منگنی کے سبب عابدی صاحب شمسہ کی زندگی میں آنے والے پہلے مرد تھے اس نے عابدی صاحب کو لے کرکئی خواب سجا رکھے تھے۔اچانک شمسہ کے جوان بھائی کی موت کے سبب اس کی ماں جذباتی ہو گئی تھی اور بات بات پر کالے جادو کا ذکرکرتی دیوانی معلوم ہوتی تھی اسی بات سے خائف ہو کر عابدی اور کلثوم کی ماں نے رشتہ ختم کرنے کو ترجیح دی کہ انہیں ڈر تھا کہ شمسہ کی ماں عابدی صاحب کو جذباتی کر کے گھر جمائی بنا لیں گی وہ عابدی صاحب کی پسند سے بھی واقف تھی اس لیے ان پر جذباتی دباؤ ڈالتے ہوئے انہوں نے بچپن کی منگنی ختم کر دی اور عابدی صاحب کی شادی شہر بانو سے کروا دی۔اس سب میں جس کے خواب اور شخصیت ریزہ ریزہ ہوئی وہ شمسہ تھی۔ شمسہ بےحد خووبصورت تھی لیکن اس کی بیماری نے اسے دوبارہ ہمسفر کی تلاش کا موقع نہیں دیا وہ آخری دم تک اپنی اور عابدی صاحب کی یادوں کے سہارے زندہ رہی اور آخر میں اپنی محبت کا راز دار سعیدہ کو بنا گئی۔ محبوب اپنی محبت کی یاد کسی نہ کسی طرح زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شمسہ کی کوشش تھی۔ کلثوم کی ماں کے دل میں شمسہ کے لیے چاہے کھوٹ نہیں تھا لیکن اس نے جیٹھانی دیورانی کی لڑائی میں بچوں کے جذبات روندھ دیے تھے۔ عابدی صاحب کا تو گھر بس گیا تھا لیکن شمسہ کا روگ ناسور بن کر اسے ختم کر گیا۔

شمسہ کی ماں کی صورت بوڑھی عورتوں کے استحصال کی کہانی سامنے آتی ہے۔ بیٹے اوربہوعمرکےآخری حصےمیں جس طرح ماؤں کواذیت دے جاتے ہیں۔ ساجدہ زیدی نےتائی اماں کے کردار سے واضح کیا۔ دو بچوں اور شوہر کی وفات کےبعدانکی بہونےجس حالت میں انہیں رکھاوہ اس بوڑھی عورت کاذہن متاثرکرنےکےلیےکافی تھا۔ ناول سےاقتباس:

”اپنے بیٹے کے ہاتھوں پہنچی ہوئی اذیت کا جان لیوا احساس،درد کی انتہا۔۔وہ بے تکان بولتی رہیں۔۔۔یہ کسمپرسی۔۔۔یہ گھٹن،یہ جر،یہ قید،یہ دیوانگی،تن بدن کا ہوش گنوا بیٹھنے کی اذیت،الاماں الاماں یا صاحب الزماں۔۔۔ا لیسے کی اور کیا زبان ہوتی ہے اے خدا؟۔یہ کیسےتقدیرکےکھیل ہیں۔“ ۸

عادل اور سعیدہ کی کہانی ناول میں سب سے پیچیدہ ہے۔وہ ایک دوسرے کو سمجھتے بھی ہیں اور نہیں بھی۔عادل سعیدہ کو تفریح کے دوران ملتا ہے وہ ایک ساتھ چند دن گزارتے ہیں او دوبارہ ملنے کی امید سے اپنے اپنے گھر روانہ ہوتے ہیں لیکن پانی پت پہنچتے ہی سعیدہ اور باقی مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے کہ دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کو الگ ملک ملنے پر انہیں تشدد کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور تمام مسلمان اپنا گھر اور مال چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ فرزانہ اس وقت پڑھائی کے سلسلے میں پیرس تھی۔ کلثوم سعیدہ اور سیما کے ساتھ ہندوؤں کا لباس پہنے دہلی کے لیے روانہ ہو جاتی ہیں وہاں جیسے تیسے وہ ایک کیمپ پہ پہنچتی ہیں جہاں سارے مسلمانوں کی دیکھ بھال کی جارہی ہوتی ہے۔

عادل کی ماں کی صورت میں عورت کے استحصال کی ایک اور کہانی سامنےآتی ہے۔عادل کےوالد کی بیوی بانجھ تھی اور ان کی چچازاد تھی خاندان مضبوط ہونے کی وجہ سے اس کے والد بیگم پر سوتن لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حویلی میں ماماؤں کی کمی نہ تھی اس لیے عادل کے والد نے ایک مظلوم اور معصوم لڑکی سے اپنی ضرورت پوری کرتے اولاد کی شکل تو دیکھ لی لیکن نہ اس لڑکی سے نکاح کرنا ضروری سمجھا نہ اپنے دو بچوں کو اپنا نام دینا۔ یعنی عادل اور اس کی بڑی بہن اس کے والد کی ناجائز اولاد تھی۔عادل کی والدہ کی کہانی ان عورتوں کی عکاس ہے جو غریبی اور بےبسی میں مالدار مردوں کے نفس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ ناول سے اقتباس:

"اپنی حقیقی ماں کے متعلق بس میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ بہت مظلوم،کم گو اور نیک مزاج لڑکی تھیں۔۔۔حویلی میں ماماؤں کی طرح پلی تھیں۔حویلی والوں کی حکم عدولی کا نہ جن میں یارا تھا اور نہ اس گھٹے ہوئے ماحول میں ان کے لیے کوئی اور چارہ۔۔۔وہ والد کے نکاح کے جھانسوں میں آ گئیں اور ایک مرتبہ آئیں تو راہ فرار نہ تھی۔" ۹

آفتاب کی پیدائش نے کلثوم کے دل سے سیما کی کرتار سنگھ سے شادی کا دکھ بھی ختم کردیا تھا۔ کلثوم کی طبیعت نڈھال سی رہنے لگی تو سعیدہ نے ان کےآرام کے لیے ایکای ملازمہ کا اہتمام کیا اورحبیبہ کی صورت قاری کے سامنے ایک اور بے بس عورت کے استحصال کی کہانی آتی ہے۔

حبیبہ یتیم لڑکی تھی اور اپنی چچی کے ساتھ رہتی تھی۔پڑھی لکھی تھی اسی لیے بچوں کو پڑھا کر گھر کا خرچ چلایا کرتی تھی۔ خووبصورت اور جوان حبیبہ کے ساتھ کے لیے کئی مرد خواہش مند تھے لیکن وہ مزید پڑھنا چاہتی تھی ایک روز مولوی صاحب نے اس کے انکار کے باوجود گھر رشتے کا پیغام بھیج دیا اور اس کی چچی نے حبیبہ کو جذباتی کرتے ہوئے ایک بیٹی کے باپ یعنی مولوی صاحب کے ساتھ رخصت کر دیا۔

یہ واقعہ اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ خواتین کے لیے کام کی جگہیں نہ صرف غیر محفوظ ہیں بلکہ اکثر ان کے وقار اور وجود کے لیے خطرہ بن جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ صرف مقامی سطح تک محدود نہیں بلکہ دنیا بھر کی خواتین اس عدم تحفظ کا سامنا کرتی ہیں۔ جیسا کہ کورڈیلیا فائل نے "ڈیلیوزنزآف جینڈر" میں ایک وعلنگ وومین کا بیان رقم کرتی ہیں۔کتاب سے اقتباس:

"The awful, intractable incompatibility of being a woman In a male-dominated SET workplace was starkly encapsulated by one woman quoted in the report, who described how, increasingly, she had developed a "discomfort with being a woman" ۱۱

حبیبہ نے مولوی صاحب کو اپنا نصیب سمجھتے ہوئے قبول کیا اور گھر کا خرچ تنگ ہونے پر کسی کے گھر ملازمت کرنے لگی۔اس گھر کا مالک شرابی تھا ایک روزشراب کے نشے میں حبیبہ کے ساتھ دست درازی کرنے لگا تو حبیبہ کسی طرح اپنی عزت بچا کر گھر لوٹ آئی۔اس کی حالت دیکھتے ہوئے جب مولوی صاحب اور ساس نے سوال جواب کیے تو حبیبہ نے سارا واقعہ بیان کیا لیکن اس کو تسلی یا شاباشی دینے کی بجائے مولوی صاحب نےاسےمارنا پیٹنا شروع کر دیا اور طلاق دیتے ہوئے گھر سے نکال دیا اور اس کے دونوں بیٹوں کو بھی ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔

سعیدہ حبیبہ کے ساتھ مولوی صاحب کے گھر جاتی ہے تا کہ بچوں کی کسٹڈی کے کیس سے پہلے صلح صفائی سے کوشش کر سکے لیکن مولوی صاحب اور اس کی ماں حبیبہ کی کردار کشی کرتے ہیں۔مولوی صاحب کی ماں عورت ہوتے ہوئے بھی حبیبہ کے لیے اولاد کی تڑپ نہیں سمجھتی اور گالیاں دیتے ہوئے اسے گھر سے نکال دیتی ہے۔ ناول سے اقتباس:

"نہیں استانی جی۔وہ دہاڑے۔۔۔لونڈے میں اس حرافہ کے حوالے نہیں کروں گا۔گھڑی کی چوتھائی میں کپڑے لتے سمیت کر چلی گئی۔بڑی غرور والی ہےنا۔۔ارے خاوند سر کا تاج ہوتا ہے۔۔۔مجازی خدا۔۔پاؤں پکڑ لیتی تو میں اسے معاف کر دیتا۔" ۱۲

مولوی صاحب اپنی غلطی ہوتے ہوئے بھی سعیدہ کے سامنے سارا ملبہ حبیبہ پر ڈال دیتے ہیں ان کے مطابق طلاق کے بعد بھی حبیبہ کو گھر کے دروازے پر ان کےترلے منتے کرنے چاہیے تھے تا کہ جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو وہ توبہ کرتے ہوئے اسے واپس گھر میں رکھ لیتے کہ ان کے پاس سوائے انا کے اور تھا ہی کیا اور پھر مرد انا کے بغیر زندہ بھی رہے تو کیسے رہے؟

مولوی صاحب کو کیس کی دھمکی دینے کے بعد سعیدہ حبیبہ کے ساتھ واپس آ جاتی ہے۔کچھ دن بعد اسے مہدی کا خط ملتا ہے جس میں وہ اسے نور پاشا کی خودکشی کی کوشش کا بتاتے ہوئے مجبوری میں اسے اپنانے کی خبر دیتا ہے۔وہ خط کوئی صفحہ نہیں سعیدہ کے لیے تیر ثابت ہوتا ہے جو سیدھا اس کے دل میں لگتے اسے لہولہان کر دیتا ہے لیکن پھر بھی دل کے ہاتھوں مجبور وہ مہدی کو ایک لفظ برا نہیں کہہ پاتی۔

لندن جانے سے محض کچھ روز پہلے کرتار سنگھ روتا ہوا اس کے پاس آتا ہے اور اس کو خبر دیتاہے کہ سیما آفتاب کو لے کر بھاگ گئی ہے کیونکہ کرتار سنگھ نے سیما پر ہاتھ اٹھایا تھا جس پر وہ شرمندہ بھی ہے لیکن اب یہ شرمندگی دیکھنے کے لیے سیما وہاں موجود نہیں تھی۔کرتار سنگھ دو دن سیما کو ڈھونڈنے کے بعد سعیدہ سے سیما کے ملنے پرخبر کرنے کا وعدہ لیتے ہوئے گاؤں لوٹ جاتا ہے۔لندن جانے سے قبل سعیدہ کو سیما کا خط ملتا ہے کہ وہ اب پاکستان میں ہے اور اتفاق سے اسے یہاں سلیم مل گیا ہے جو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور شادی کےبعد وہ لندن آ جائیں گے اس نے کرتار سنگھ کو طلاق نامہ بھیج دیا ہے اورفلحال وہ باجی رضو کے گھر رہ رہی ہے۔ سیما کے خط سے مطمئن ہو کر سعیدہ لندن چلی جاتی

ہے اور کچھ ماہ بعد اس کی ملاقات سیما سے بھی ہو جاتی ہے ۔ لندن سے کچھ وقت کے لیے سعیدہ فرزانہ اور جون سے ملنے جاتی ہے اوران دونوں کے رشتے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتی وہ انہیں دیکھتے ہی اپنے اور مہدی کے متعلق سوچنے لگتی ہے اور دکھ و کرب ایک بار اسے پھر اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اپنے جذبات کی کشمکش میں سعیدہ پاکستان جاتی ہے جہاں اس کی ملاقات عادل سے ہوجاتی ہے۔عادل نے اب تک شادی نہیں کی تھی وہ اب بھی سعیدہ سے محبت کا دعویدار تھالیکن کسی عورت کے ساتھ جنسی تسکین کے لیے ایک چھت تلے رہتا تھا ۔ ناول کے اس حصے میں ساجدہ زیدی نے واضح کیا کہ مرد محبت اور قرب کو جدا رکھتا ہے اس کے مطابق کسی دوسری عورت کی قربت بے وفائی نہیں مانی جاتی۔سعیدہ عادل کو آگے بڑھنے کا کہتے ہوئے لندن واپس چلی جاتی ہے اورکچھ ہی دن بعد سیما اس سے ملنے آتی ہے اور اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ سلیم آفتاب کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا کیونکہ سیماامید سے تھی اور سلیم کے مطابق ان دونوں کی تمام تر توجہ اور محبت کا حق دار انکا بچہ تھا۔ سعیدہ کے لیے یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ محبت کے نام پر بڑے بڑے دعوے کرنے والے مرد شادی کے کچھ ہی عرصے بعد سب کیسے بھول جاتے ہیں؟ جس عورت سے محبت کرتے ہیں اسے اس کی اولاد کے ہجر کی مار کیسے مار سکتے ہیں؟.سیما کی مشکل حل کرنے کے لیے وہ آفتاب کی ذمہ داری لے لیتی ہے۔ سلیم کے کردار کے ذریعے ساجدہ زیدی نے معاشرے کے خودغرض مردوں کی تصویر کشی کی ہے۔سلیم سیما سے اس کے ہنر سے متاثر ہو کر شادی کرتا ہے کہ اس کاہنر معاشی حوالےسےاسکےلیے بہت فائدہ مندثابت ہونےوالا تھاسیماکے پاس سلیم کی رہائش کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں تھی اور وہ صرف آفتاب کے لیے دوبارہ طلاق لینے کاسوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ سلیم نےاس کی بے بسی کافائدہ اٹھاتے ہوئےآفتاب کی ذمہ مداری سےنہ صرف اپنا ہاتھ اٹھایا بلکہ اس سےماں کی گود بھی چھین لی۔ ناول سےاقتباس:

”میں نےاس سےسب کچھ کہا۔۔۔اسکا تو رویہ ہی بدل گیاہے۔اب تم ہی بتاؤ میں سلیم کو کیسے چھوڑ دوں۔۔۔اس اجنبی دنیا میں زندگی گزارناآسان نہیں ہے۔“ ١٣

ساجدہ زیدی نے اپنے ناول میں ایسے مردوں کو بھی موضوع بنایا جو بیوی کی خود اعتمادی اورہنرسےاحساس کمتری کاشکار ہوکرانہیں ذہنی اذیت دیتےہوئے ان کا اعتماد چھیننے کی کوشش کرتےرہتےہیں اوربیوی اپناحرم بنائے رکھنےکےلیے ان کے زہریلے الفاظ برداشت کرتی رہتی ہے۔ لندن میں بنی سعیدہ کی سہیلی نجمہ کے شوہر کا کردار ایس ےمردوں کی عکاسی کرتاہے جو بات بات پر بیوی کو نیچا دکھانےکا بہانا تلاش کرتےرہتےہیں۔ ناول سےاقتباس:

”اسے بعد کی ملاقاتوں میں اندازہ ہوا،کہ نجمہ کے شوہر بہت خردماغ آدمی تھے۔ احساس برتری کے مارے ہوئے۔ جو اپنی نہایت سلجھے ہوئے دماغ کی ذہین اور پڑھی لکھی بیوی کو اٹھتے بیٹھتے نیچا دکھانے سے نہیں چوکتے تھے،اور بات بات میں عورت کی انوٹومی،اس کی خوبصورتی اور اپنی حسن پرستی کا ذکر چھیڑ کراپنی مردانگی کااظہارکرتےتھے۔“ ١٤

ساجدہ زیدی اپنے ناول میں عورت کے وجود کو محض سماجی کردار نہیں بلکہ فکری جدوجہد کے محور کے طور پر پیش کرتی ہیں۔
وہ عورت کو ایک ایسے نظام میں رکھتی ہیں جہاں روایت اور ضرورت کا ٹکراؤ مسلسل اس کی شناخت کو نئی شکل دیتا ہے۔
مصنفہ کے نزدیک عورت کی اصل پیچیدگی اسی میں ہے کہ وہ ظاہری کمزوری کے پردے میں گہری داخلی بصیرت رکھتی ہے۔
زیدی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ عورت کی خاموشی محض خاموشی نہیں بلکہ ایک طویل اجتماعی تاریخ کی کوڈڈ زبان ہے۔
انہوں نے عورت کو مظلوم سے مضبوط بنتے دکھایا ہے، وہ اس نظام کی خاموش ناقد ہے جو اس کے لیے راستے طے کرتا رہتا ہے۔
مصنفہ عورت کے جذبات کو کمزور نہیں بلکہ تحلیل و تجزیہ کی قدرت رکھنے والی قوت کے طور پر دکھاتی ہیں۔
وہ عورت کی ذمہ داریوں کی کثرت کو اس کے بوجھ کے طور پر نہیں بلکہ اس کی مطابقت پذیری کے ثبوت کے طور پر پڑھتی ہیں۔
زیدی کے مطابق عورت اپنے رشتوں میں قید نہیں، بلکہ ان کے ذریعے خود کو ڈیفائن اور ریفائن کرتی رہتی ہے۔
مصنفہ اس تصور کے خلاف کھڑی ہیں کہ عورت کی قدریں صرف گھر تک محدود ہوں، ان کے ہاں عورت فکر کی مالک ہے۔
وہ عورت کی داخلی دنیا کو ایک اخلاقی کمپاس کے طور پر دیکھتی ہیں جو سماج کی سمت کا تعین کرتی ہے۔
زیدی کے نزدیک عورت کی خودمختاری کسی بغاوت کا نعرہ نہیں بلکہ ایک فطری حق کی بازیافت ہے۔

وہ عورت کی جدوجہد کو جذباتی نہیں بلکہ ذہنی میچورٹی کا عمل قرار دیتی ہیں۔

مصنفہ عورت کے ہر فیصلے میں ایک تہہ دار شعور دیکھتی ہیں جو اسے حالات کا شکار نہیں بننے دیتا۔

زیدی کے ہاں عورت تبدیلی کی محض تابع نہیں بلکہ ایک فعال شریکِ کار ہے، جو روایت کو سمجھتی بھی ہے اور اسے نئی سمتوں میں ڈھالتی بھی ہے۔

یوں ان کا پورا بیانیہ عورت کو کمزور ہستی کے طور پر نہیں بلکہ ایک فکری اخلاقی اور سماجی قوت کے طور پر اجاگر کرتا ہے۔

ناول "مٹی کے حرم" میں ساجدہ زیدی نے ہر عورت کو مٹی کے حرم بناتے دکھایا ہے۔ سیما ہو یا حبیبہ وہ اپنا گھر بچانے کے لیے اپنی خواہشات کا گلا تک گھونٹ دیتی ہیں۔آپا بیگم پناہ پانے کے لیے دوسروں کے نقصان کی پرواہ نہیں کرتی اورسعیدہ پہلی محبت سے آخری اور آخری سے پہلی محبت کے سفر میں ذمہ داریوں کی منزل پر پہنچ جاتی ہے۔ ساجدہ زیدی نے ناول میں معاشرہ،سماج،مرد اور عورت کے ہاتھوں ہو رہے عورت کے استحصال کا ہر چھوٹا بڑا نقطہ رقم کیا اور مرد و عورت کی محبت میں فرق بھی بیان کیا۔ مرد جس عورت سے محبت کرتا ہے اسے نا بھی پائے تو جسمانی تعلق کسی بھی عورت سے بنا سکتا ہے لیکن اس سے محبت نہیں کرتا بیشک وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو ناول میں اسکی مثال عابدی صاحب اور مہدی کا کردار ہیں۔ اور دوسری طرف مرد ایک عورت سے محض جنسی تسکین کے لیےجسمانی تعلق بنا لیتا ہے لیکن محبت کا دعویدار پھر بھی اپنے محبوب سے ہی رہتا ہے جیسے عادل کا کردار لیکن عورت ان دو جذبوں کو الگ نہیں کر سکتی۔

حوالہ جات

۱۔سہیل بخاری-اردوناول نگاری۔دہلی:الحمرا پبلشرز، ۱۹۷۲ء، ص ۶۱

rekhta.org۲.

۳.ساجدہ زیدی۔مٹی کے حرم۔دہلی۔ تخلیق کارپبلیشرز ،۲۰۰۰ء،ص۱۵۱۔

۴.ایضاً،ص ۱۹

۵.ایضاً،ص۱۸

۶.ایضاً،ص۳۶۵

۷.مبارک علی، ڈاکٹر۔تاریخ اور عورت۔لاہور:تاریخ پبلیکیشنز، ص۱۷۷

۸.ایضاً،ص۴۹۹

۹.ایضاً،ص۱۷۹

۱۰.ایضاً،ص۳۵۳

۱۱Cordelia Fine, Delusions of gender.UK:W.W.Norton & Company, 2010,pg52.

۱۲.ایضاً،ص۴۰۵

۱۳.ایضاً،ص۵۱۱

۱۴.ایضاً،ص۵۰۲-۵۰۳